پروفیسر محمد عثمان کی اقبال شناسی

زاہد احمد، پی ایچ۔ڈی سکالر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Most of the critics who had thoroughly gone through the philosophical poetry by Allama Muhammad Iqbal, emphasized on his concept of Self positively. According to Professor Muhammad Usman it could be considered and explained as a central point of Iqbal's sociopolitical poetry. Professor Usman in his articles about Allama Muhammad Iqbal's poetry and philosophy appreciates his thought provoking ideas as a guide for the people of his age which too could be called an age of colonialism specially in Indian perspective

گورنمنٹ کالج سے وابستہ قریباً تمام سرکردہ دانشوروں ، اقبال شناس اساتذہ کرام ، ایم ۔اے ، ایم فل اور پی ایچ ۔ڈی طلباء کے مقالہ جات اور اردو، فارسی ، فلسفہ، تاریخ، سیاسیات اور اسلامیات کے شعبوں کے مجلوں میں اقبال پر شائع ہونے والی تحریروں اور خصوصاً مجلّہ ''راوی'' کے اقبال نمبروں اور عام نمبروں میں چھپنے والے مضامین میں جہاں جہاں اقبال کے فلسفیانہ افکار کا ذکر آیا ہے ان میں سرفہرست ان کا فلسفہ خودی ہے۔ یہ فلسفہ اقبال کے فلسفیانہ نظام کا محور و مرکز ہے۔ان کے افکار کے دیگر تمام پہلو اس فلسفے کی لڑی میں پروئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔انہوں نے اپنے مابعد الطبیعاتی، مادی، سماجی ،اخلاقی اور جمالیاتی افکار کے ڈانڈے فلسفہ خودی سے ملائے ہیں۔

علامہ اقبال کے تصور خودی کی فکری بنیادوں کی عصری اہمیت یہ ہے کہ وہ انگریزوں کے مفتوحہ ہندوستان میں بسنے والے مغلوب مسلم باشندوں کو غلامی سے نجات کا رستہ دکھانے پر کمر بستہ تھے۔انسانی خودی کا تعلق جب کائنات کے پس منظر میں جاری و ساری قوت سے جڑ جاتا ہے تو پھر ہر نوع کی مایوسی ، بے دلی اور غلامی سے نجات کی سبیلیں سامنے آتی ہیں۔ بقول اقبال :

"یہ وحدت وجدانی یا شعور کا روشن نقطہ جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات و تمنیات مستنیر

ہوتے ہیں۔ یہ پُر اسرار شے جو فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے ، یہ ''خودی'' یا ''انا'' یا ''میں'' جو اپنے عمل کی رو سے ظاہر ہے لیکن اور اپنی حقیقت کی رو سے مضمر ہے جو تمام مشاہدات کی خالق ہے مگر جس کی لطافت مشاہدہ کی گرم نگاہ ہوں کی تاب نہیں لا سکتی۔''(۱)

علامہ اقبال نے اس کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے اسے لذت حیات، انا کی انفرادیت، اس کے اثبات و استحکام اور تسلسل و توسیع سے بھی منسلک کیا ہے۔انھوں نے اس سوال کا جواب بھی دیا ہے کہ کیا خودی ''ایک لازوال حقیقت ہے یا زندگی نے محض عارضی طور پر اپنی فوری عملی اغراض کے حصول کی خاطر اپنے آپ کو اس فریب تخیل یا دروغ مصلحت آمیز کی صورت میں نمایاں کیا ہے۔'' (۲)

انھوں نے مشرقی ویدانتی فلسفے اور انفرادی نجات کے حامل صوفیانہ خیالات میں موجود دُنیا کے بارے میں فریب تخیل کے تصورات کا جائزہ لے کر یہ واضح کیا ہے کہ ایسے فلسفے اور تصوف کے نتیجے میں اخلاقی اعتبار سے افراد و اقوام کا طرز عمل منفی ہو جاتا ہے ۔اقبال نے کائنات، زندگی اور انسان پر غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ نکالا کہ اس نوع کے افتادِ طبع کو بدلنے کی ضرورت ہے تا کہ قومیں تخیل محض کی دنیا سے باہر نکل کر عملی اقدامات کرنے کی جانب مائل ہوں۔

اقبال کے فلسفہ خودی میں مغربی اقوام کی مادیت پرستی کو بھی نشانہ تنقید بنایا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ مغرب کے عقلی فلسفوں اور مادیت پرست افکار نے انسان سے اس کی روح چھین لی ہے۔فلسفہ خودی اس روح کی بازیافت کے لیے ایک رستہ مہیا کرنے کا کام بھی کر سکتا ہے۔اس پس منظر میں علامہ اقبال واضح طور پر تسلسل حیات کے نکتے کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔اور حیات انسانی کی بعد از مرگ باز پرس یا حساب کتاب کے عمومی تصور کی تعبیر بھی کرتے ہیں۔

پروفیسر محمد عثمان ۱۴ اپریل ۱۹۲۲ء کو جموں کے قریب نواں شہر میں پیدا ہوئے۔ایم علی گڑھ یونیورسٹی سے ایم۔اے اُردو کیا۔ ۱۹۴۵ء میں اسلامیہ کالج لاہور سے ملازمت شروع کی۔ ۱۹۴۸ء میں اٹک (کیمبل پور) میں درس و تدریس جاری رکھی۔۱۹۶۲ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں اُردو کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ وہ ایک عرصے تک ایجوکیشن کالج کے پرنسپل بھی رہے۔اپنی اقبال شناسی کے بارے میں پروفیسر عثمان کہتے ہیں:

''علامہ اقبال سے میرا تعلق بھی عجیب ہے۔سکول میں تھا تو ''بانگ درا'' پر جان دیتا تھا۔ کالج میں پہنچا تو ''زبور عجم'' نے جذبات میں آگ لگا دی۔علی گڑھ ایم۔اے کی خاطر گیا تو ''پیام مشرق''، ''جاوید نامہ'' اور ''ضرب کلیم'' سے عشق ہو گیا۔زندگی میں داخل ہوا تو معلوم نہیں کیسے رموز ''پس چہ باید کرد'' اور ''اسرار'' توجہ کا مرکز بن گئیں۔ پھر نثر اقبال کی باری آئی تو ان کے مضامین، مقالات اور بعض خطوط سے بہت متاثر

ہوا۔''(۳)

پروفیسر محمد عثمان اقبال کے تصور خودی کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''اقبال اس لفظ یا اصطلاح (خودی) سے جو کچھ سمجھتے اور سمجھانا چاہتے تھے اسے آسان لفظوں میں یوں ادا کیا جا سکتا ہے: قدرت ہر شخص کے اندر جسم و ذہن اور قلب و نظر کی کچھ صلاحیتیں، استعدادیں اور قابلیتیں ودیعت کرتی ہے۔ یہ صلاحیتیں ہمارے اندر سوئی ہوئی ،چھپی ہوئی ،ناپختہ اور خام ہوتی ہیں اور ابتداً ہم ان سے ناآشنا اور ناواقفِ محض ہوتے ہین۔قدرت کا منشایہ ہے کہ ہم اپنی ان صلاحیتوں کی تلاش وجستجو میں نکلیں،ان کا پتہ لگائیں اور ان سے آشنائی اور آگاہی پیدا کر کے انھیں پردۂ خفا سے معرضِ شہود میں لائیں اور اس طرح ان کی (گویا اپنی) ترقی وارتقا کا سامان کریں۔یہ صلاحیتیں اور استعدادیں جو کروڑوں اربوں انسانوں میں بھی کسی دو میں ایک جیسی نہیں ہوتیں۔انھی کی مجموعی ترکیب سے ہر شخص کی ذات،ایغو،یا خودی تشکیل پاتی ہے اور اپنی جگہ پر لاثانی ومنفرد ہوتی ہے۔جس شخص کی صلاحیتیں غیر ترقی یافتہ اور غیر ارتقا پذیر رہ گئیں اس کی خودی کو یا خوابیدہ وخام ہے اور جس نے ان صلاحیتوں کو بیدار کیا اور نشو وارتقا کی خاطر جان جوکھوں میں ڈالی ،اس نے خودی اور اس اعتبار سے زندگی کا راز پالیا۔اور وہ اس قوت وشوکت کا اہل بن گیا جو نسلِ آدم کا اصلاً حق ہے۔''(۴)

پروفیسر عثمان نے اپنی کتب میں فلسفہ اقبال کے مختلف پہلوؤں کی تفصیلی توضیحات کی ہیں۔اس سلسلے میں انہوں نے وطنیت وقومیت،تصور تعلیم،تصور زن،خودی،عقل وعشق،مرد مومن،مغربی تہذیب،تصور ابلیس اور تصور عشق رسول وغیرہ کے فکری معاملات پر فکر انگیز حوالوں سے مضامین لکھے ہیں۔ان میں اقبال کو اقبال کی اپنی نظر میں دیکھا گیا ہے۔پروفیسر عثمان نے اقبال کی شاعری میں موجود مذکورہ تصورات کا عقلی اور فکری مطالعہ کیا ہے۔

پروفیسر محمد عثمان نے اقبال کی شاعری میں موجود فکر وفلسفہ پر لکھے ہوئے اپنے مضامین میں ان کے فلسفہ خودی پر بنیادی توجہ دی ہے اور ان کے فلسفہ خودی کی تفہیم میں منفرد حثیت کے حامل ٹھہرے ہیں۔بیشتر ناقدین اور شارحین نے تصور خودی کو اس قدر پیچیدہ بنا کر پیش کیا ہے کہ یہ تصور خیالی اور مثالی بن کر رہ گیا ہے اور اس کا مفہوم عام قاری کی سمجھ سے بالاتر ہو گیا ہے۔

پروفیسر محمد عثمان نے اقبال کی تحریروں کو سامنے رکھتے ہوئے خودی کے لیے ''شخصیت'' کا متبادل لفظ فراہم کیا جو اس سلسلہ میں پیدا شدہ ابہام کو دور کر دیتا ہے۔(۵) ان کے مطابق مثنوی ''اسرار خودی'' میں علامہ نے فرد کی انفرادی نشونما پر زور دیا ہے اور ''رموزِ بےخودی'' میں قومی اور اجتماعی خودی کو پیش کیا ہے یعنی فرد کی تکمیل اسی صورت میں ہو گی جب وہ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے قوم کی ترقی کا باعث بنے گا اور

ایسا نہ کر سکنے والے فرد کی خودی ناقص ہو گی۔(۲)

پروفیسر عثمان کی کتب کا جائزہ اس امر کا غماز ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اقبال کی نظر ایک باشعور مفکر کی نظر تھی۔ وہ بنیادی طور پر ایک مذہبی اور دینی انسان تھے۔ سچے انسانیت نواز اسلام کے قائل تھے۔ انہوں نے نئے عہد کے تقاضوں کے مطابق اسلامی فکری ڈھانچے کی تشکیل نو کا فریضہ ادا کیا۔ ان کی عظمت اس میں پوشیدہ ہے کہ وہ جس دور میں پیدا ہوئے اس کا صحیح اور گہرا فہم اور شعور بھی حاصل کیا۔ اقبال نے اپنی شعوری صلاحیتوں کو عملی محاذ پر استعمال کیا۔ استحصالی قوموں کی ظالم ثقافت سے نجات حاصل کرنے کا راستہ دکھایا۔ انہوں نے ایک روشن اور منور اسلام ہمارے سامنے پیش کیا۔ اس عہد میں اسلامی عقائد، عبادات اور تقوی و پرہیز گاری اور انفرادی اخلاق پر بڑا زور دیا جاتا تھا لیکن معاشی انصاف جو قرآن کے سارے فلسفے کی روح ہے اس کی بات نہیں کی جاتی تھی۔ اقبال ہماری تاریخ کے پہلے فلسفی ہیں جنہوں نے زندگی اور سماج میں معاشیات کی اہمیت کو پورے طور پر سمجھا۔ سوشلزم، کمیونزم کے برے پہلوؤں کی مذمت کی اس طرح کارل مارکس، لینن، برگساں، نٹشے وغیرہ کے فلسفوں میں جو بات انسانیت اور روحانیت کے لئے درست نہیں تھی اس کی مخالفت کی۔ جو ان مفکروں میں اچھائیاں دیکھیں۔ ان کا واضح اعلان بھی کیا اور اسلام کے ہتھیار کو جدید انداز سے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے قائداعظم کے نام ایک خط میں غریبی کے مسئلے کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ جس مملکت کا تصور وہ رکھتے تھے اس میں معاشی انصاف ضروری تھا۔

پروفیسر عثمان کا خیال تھا کہ پاکستان بننے کے بعد خلیفہ الحکیم نے اقبال کی سوچ کو آگے بڑھایا۔ وہ کہتے ہیں کہ اقبال کی شاعری میں شاعر اور فلسفی متحد ہیں۔ اگر اقبال کی شاعری میں جذبے اور فکر میں دوئی یا ثنویت ہوتی تو ان کی تخلیقات پر تاثیر نہ ہوتیں۔ اقبال انسان اور کائنات کا اکائی کی صورت میں مشاہدہ کرنے کا ذوق رکھتے تھے۔ ان کی تربیت تصوف اور مذہب کے حوالے سے ہوئی تھی اس لیے ان کے ہاں مابعد الطبیعاتی رجحانات ملتے ہیں۔ انہوں نے فلسفے کے گہرے مطالعے کے دوران ڈارون، مارکس اور آئین سٹائن کے فلسفوں کا جائزہ اپنے مابعد الطبیعاتی رجحانات کی روشنی میں لیا۔ اس سلسلے میں آرنلڈ کے مذہبی ذہن کا بھی ان پر گہرا اثر تھا۔ اس لیے جدید مفکرین کے نظریات کو مابعد الطبیعاتی علم اور فلسفے کی روشنی میں پرکھنا ان کے لیے زیادہ مشکل کام نہ تھا۔ عہد اقبال میں دنیا بھر میں مغربی فلسفوں اور نظاموں کی ترویج و ترقی کے نتیجے میں انسان کا مشینی اور میکانکی تصور رواج پا چکا تھا کہ جس کا نتیجہ فرد کے دل کی موت کی صورت ظاہر ہو رہا تھا۔ علامہ اقبال نے مشینی زندگی کے تصور سے نہ صرف انحراف کیا بلکہ فرد کو فلسفہ خودی کے حوالے سے اپنی انفرادیت پر توجہ مرکوز کرنے کا درس دیا۔ ان کے تصور خودی میں مرد، مرد کامل اور مرد مومن کے تصورات نے اپنے اردگرد موجود انسانوں کو حوصلے سے زندگی گزارنے کا سبق دیا۔ یہ تصورات ان کی کتب اسرار رموز پر ایک نظر (۱۹۶۱ء) یا اقبال کا فلسفہ خودی (۱۹۷۱ء) میں موجود ہیں۔

پروفیسر عثمان نے اقبال کی شاعری اور ان کے کئی تصورات پر ناقدین کی طرف سے بے جا اعتراضات کا مدلل جوب بھی دیا ہے۔اپنے مضمون ''اقبال کی عشقیہ شاعری'' (مطبوعہ راوی ۱۹۶۳ء) میں اس اعتراض کے جواب میں کہ اقبال کی عشقیہ شاعری ''بہت گھٹیا درجے کی ہے'' پروفیسر عثمان نے اپنے طویل مضمون میں شعری مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ'' ایسی حقیقت پسند، بصیرت افروز، پاکیزہ جذبات اور صدق مقال شاعری کو گھٹیا درجے کی شاعری قرار دینا حیرت انگیز اور افسوسناک ہی نہیں مضحکہ خیز بھی ہے'' (۷)

(یہ اعتراض ۲۲ نومبر ۱۹۵۸ء کے لیل و نہار میں چھپنے والے ایک مباحثے میں کیا گیا تھا۔ پروفیسر عثمان نے اقبال کے فلسفہ عشق میں ہجر کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ بالشویک انقلاب کے فلسفے کو، علامہ اقبال نے اپنی نظم خضر راہ (۱۹۲۰ء) میں ترقی پسند تحریک کے نقادوں سے قبل اہل ہند سے متعارف کروایا۔ایسے ہی انہوں نے فلسفہ عشق کے حوالے سے ایسی شاعری کی جس نے اردو کی جدید عشقیہ شاعری کے لیے راہ ہموار کی۔(۸)

حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے ضمن میں بحث کرتے ہوئے پروفیسر عثمان فروعی باتوں اور فروعی خیالات سے اجتناب کرتے ہیں۔وہ اقبال کے فکری ذہن کی خلاقی کے قائل تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اقبال نے اپنے عہد کے فلسفے پر گہری نظر ڈالی اور اپنی شاعری میں اعلیٰ فکری ڈکشن استعمال کیا علاوہ ازیں وہ اپنی شاعری سے بنی نوع انسان کی فلاح کا کام لینا چاہتے تھے اس حوالے سے انہوں نے اشتراکی فلسفے میں موجود معاشی خیالات کی پذیرائی کی اور ان تصورات کو انسانیت کے حق میں بہتر قرار دیا۔البتہ انہوں نے یہ ضرور کہا ہے کہ اشتراکی فکر اگر ''لا'' کے ساتھ ''الا'' کا راستہ بھی اختیار کرے تو وہ اسلام کے اس تصور تک پہنچ جائے گی جس میں مکمل انسان کا تصور موجود ہے۔یہ انسان مادی فکر کے ساتھ روحانی فکر کا بھی مدعی ہے۔ پروفیسر عثمان نے اقبال پر جن فکری زاویوں سے بات کی ہے ان کی بدولت انہیں اقبالیات کا ایک روشن فکر نقاد سمجھا گیا ہے۔وہ سوشلزم کو نئے نظاموں میں ایک بہتر نظام تصور کرتے تھے۔اس لیے وہ اقبال کے فلسفے میں انسانی جدوجہد کے خیالات اور انسانی حقوق کی پاسداری کے جذبات کی مکمل حمایت کرتے تھے۔انہوں نے اقبال کی تقلید میں ملائیت کو کسی بھی طور قبول نہیں کیا۔وہ چاہتے تھے کہ خالق و مخلوق کے درمیان پردے حائل نہ رہیں کہ یہ پردے پیران مذاہب کی عطا ہیں۔ پروفیسر محمد عثمان اقبال کے فرد و ملت پر ''رموز بے خودی'' میں موجود خیالات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''اقبال کا اندازِ نظر افراد و تفریط سے پاک اور عدل و توازن کا حامل ہے۔وہ فرد کی انفرایت کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دیتے اور اس کے نشو ونما ارتقا کی فکر کرتے ہیں لیکن ان کے خیال میں فرد اور جماعت کے مفاد آپس میں ٹکراتے نہیں، وہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ایک کا فائدہ دوسرے کا نقصان نہیں بلکہ ان کا نفع ونقصان ایک ہے۔وہ ایک دوسرے کے ساتھ مادی

اورروحانی اعتبار سے اس طرح وابستہ وپیوستہ ہیں جیسے تسبیح کے دانے ،موتیوں کی لڑی یاستاروں کا جھرمٹ ، جو لوگ قوم کو فرد کی آزادی میں حائل تصور کرتے ہیں اور جماعت کو جبرواستبداد کا ایک ادارہ قرار دیتے ہیں ،ان کے لئے اقبال کا جواب یہ ہے کہ قوم کا اجتماعی نظام فرد کی صلاحیتوں کا خون نہیں کرتا بلکہ اس کی بے راہروی کی مناسب روک تھام کر کے اس کی شخصیت میں ضبط ونظم اور سلامت روی کی گراں مایہ صفت پیدا کرتا ہے ۔رائے عامہ کا دباؤ افراد کے حق میں عین رحمت ہے ۔ یہ دباؤ بظاہر ناگوار گزرتا ہے۔لیکن حقیقت میں اس کے اثرات نہایت خوشگوار اور قابلِ قدر ہوتے ہیں جماعت افراد میں صرف ضبط اور سلامت روی ہی پیدا نہیں کرتی وہ افراد کی صلاحیتوں کے لیے میدانِ عمل بھی مہیا کرتی ہے۔ اجتماعی زندگی کے مسائل اگر ہمیں درپیش نہ ہوں اوران کے تقاضے ہم کو بے تاب نہ کریں تو ہمارے فکروعمل کی رگوں میں جوش وجذبے کا لہو سرد پڑ جائے۔افراد کے اندر اعلیٰ مقاصد کی لگن قوم ہی کے اجتماعی نظام اوراس کے الجھے ہوئے مسائل کی بدولت پیدا ہوتی ہے۔قوم کے حالات ہی ہمارے اندر ہیجان بپا کرتے اور ہماری قوتوں کو للکارتے ،پکارتے اور بیدار کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے جماعت کا وجود افراد کی ترقی وتکمیل کے لئے قطعی ناگزیر ہے۔یہی سبب ہے کہ جو لوگ ملت سے غفلت یا بے تعلقی برتتے ہیں ان کی صلاحیتوں کا شعلہ جلد سرد پڑ جاتا ہے، اور ان کی قوتوں کا شیرازہ بکھرتے دیر نہیں لگتی۔'' (۹)

پروفیسر عثمان نے اپنی کتاب ''حیات اقبال کا ایک جذباتی دور '' میں اقبال کے فکری حوالوں کے ساتھ ساتھ ان کے بشری تقاضوں کی بات بھی کی ہے۔ (۱۰) ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا اس کتاب پر دلچسپ تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''نام اکثر دھوکا دے جاتے ہیں بہت سے خوبصورت ناموں والی اشیاء لازماً خوبصورت نہیں ہو تی اوراس کے برعکس بھی ہوتا ہے ۔یہی کیفیت پروفیسر محمد عثمان کی کتاب ''حیات اقبال کا ایک جذباتی دور'' کی ہے۔اس کا نام قاری کو دھوکا دے جاتا ہے۔جب یہ کتاب پہلی مرتبہ شائع ہو ئی تو میں اسے ۱۹۰۵ تا ۱۹۰۸ کے کلامِ اقبال کا جائزہ سمجھتا تھا۔کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا یہ فکر اقبال کے مختلف پہلوؤں پر لکھے ہوئے مضامین کا مجموعہ ہے اور سوائے اس ایک مضمون کے، جو کتاب کا عنوان بھی ہے کسی کا تعلق ،حیات اقبال کے جذباتی دور سے نہیں ہے'' (۱۱)

پانچ حصوں پر مشتمل اس کتاب میں دوسرا اور تیسرا حصہ جن میں اقبال کے معاشی اور معاشرتی نظریات پر سیر حاصل بحث کی گی ہے نہایت اہمیت کے حامل ہیں انہوں نے بڑی محنت سے اقبال کی نظم اور نثر میں سے معاشی نظریات جمع کئے ہیں ان کی کتاب ''فکر اسلامی کی تشکیل نو '' میں اقبال کے

خطبات میں موجود اقبال کے فلسفے کا جائزہ لیا گیا ہے(۱۲)۔ پروفیسر عثمان نے عقلی اور فکری زاویوں سے علامہ اقبال کے افکار کا مطالعہ کیا ہے۔

پروفیسر محمد عثمان نے اپنے مضامین میں علامہ اقبال کی فکر کے تشکیلی اصولوں کا منبع فلسفہ خودی کو قرار دیا ہے۔اس کا دوسرا رخ فلسفہ بے خودی بھی ہے۔اس لیے''اسرار خودی ''کے ساتھ ان کی مثنوی''رموز بے خودی'' کا بھی انہوں نے تذکرہ کیا ہے۔علامہ اقبال کی نظر میں فلسفہ خودی انسانی وجود میں موجود اس نورانی نقطے کی تفسیر ہے کہ جسے روح انسانی کا منبع ومحور بھی سمجھا گیا ہے۔انسانی وجود میں موجود روح کو امر ربّی بھی کہا جاتا ہے۔اسے''نفختو فی من روحی'' کے تصور سے بھی منسلک کیا جاتا ہے۔جس کا نتیجہ یہ ہے کہ خودی کی پہچان ایک سطح پر اس قوت کی پہچان بن جاتی ہے جو تخلیق کائنات کی باعث ہے۔یوں انسان ریاضت کی بدولت اپنی خودی کو بالیدہ کر کے اپنا رشتہ اس قوت سے جوڑ سکتا ہے۔پروفیسر محمد عثمان نے علامہ اقبال کی فکری اور جذباتی زندگی دونوں کے عمدہ مطالعے کیے ہیں۔

پروفیسر محمد عثمان کے خیال میں اگر ہم موجودہ عہد میں فکر اقبال سے راہنمائی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں بحیثیت قوم اقبال کے تصور مسلم قومیت جس کے ساتھ انسانیت کی فلاح وابستہ ہے کو اپنانا ہوگا اور جس کی اقبال کو ایک آزاد اور خود مختار ملک (پاکستان) کے باشندوں سے توقع تھی۔ساتھ ہی پروفیسر محمد عثمان اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ایسا اُسی صورت میں ممکن ہوگا جب ایک خالص انسانی ضمیر کی تخلیق ہمارا مقصد ہوگی۔اسلام کو محض ایک مذہب،نظامِ عبادت،ایک فقہ یا محض ایک ثقافت سمجھنے کی بجائے اس کے معاشرتی تصورات جن کا ماخذ عقیدہ توحید ہے کو اپنائیں گے،اسلام کے جوہر کو عربی شہنشاہیت کے اثرات سے پاک کرتے ہوئے اس کے حقیقی معنی کو زمانۂ حال کے تقاضوں سے قریب تر کریں گے۔اسی صورت میں اسلام کا فیض پہلے عالم اسلام میں اور پھر ساری دنیا میں پھیل سکتا ہے۔یاد رہے کہ ایسا محض اسلام کے حق میں نعرے لگانے سے نہیں ہوگا۔(۱۳)

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال،دیباچہ، اسرار خودی،(لاہور:یونین اسٹیم پریس،۱۹۱۵ء)،ص:۱

۲۔ ایضاً

۳۔ غلام جیلانی برق کے نام خط،میری داستان حیات،مورخہ ۹ جنوری ۱۹۸۱ء،مطبوعہ مشعل،مجلّہ گورنمنٹ کالج اٹک،ص:۷۰

۴۔ پروفیسر محمد عثمان،اسرار ورموز۔پر ایک نظر،(لاہور:اقبال اکادمی،۱۹۶۱ء)،ص:۵،۶

۵۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،اقبالیات :چند نئی جہات،(بزم اقبال،۲۰۱۴ء)،ص:۱۷۰

۶۔ پروفیسر محمد عثمان،قوم کس طرح بنتی ہے،مشمولہ،اقبال اور تصور قومیت اور

پاکستان ،مرتبہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری ۔(مکتبہ عالیہ، لاہور ۱۹۷۷ء)،ص:۴۳

۷۔ ڈاکٹر صدیق جاوید، اقبالیات راوی، (لاہور: الفیصل ،۱۹۸۹ء)،ص:۲۲۴

۸۔ ایضاً،ص:۲۳۹

۹۔ پروفیسر محمد عثمان ،اسرار و رموز۔پر ایک نظر،(لاہور: اقبال اکادمی ،۱۹۶۱ء)،ص:۱۰۳،۱۰۴

۱۰۔ پروفیسر محمد عثمان ،حیات اقبال کا ایک جذباتی دور، (مکتبہ جدید، لاہور،۱۹۶۵ء)

۱۱۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،اقبالیات :چند نئی جہات،(بزم اقبال ،۲۰۱۴ء)ص:۱۷۱،۱۷۲

۱۲۔ پروفیسر محمد عثمان ،فکر اسلامی کی تشکیل نو،(سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۱۱ء)

۱۳۔ پروفیسر محمد عثمان ،پاکستان کی تعمیر نواور اقبال ،مشمولہ اقبال اور تصور قومیت اور پاکستان، مرتبہ ڈاکٹر تبسم کاشمیری، (مکتبہ عالیہ،لاہور)،ص:۲۴۱

مآخذ:

۱۔ اقبال محمد، ڈاکٹر، اِسرارِ خودی، لاہور: یونین سٹیم پریس، ۱۹۱۵ء۔

۲۔ عثمان محمد، پروفیسر، اِسرار و رموز پر ایک نظر، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۶۱ء۔

۳۔ عثمان محمد، پروفیسر، قوم کس طرح بنتی ہے ،مشمولہ ''اقبال اور تصورِ قومیت اور پاکستان''، لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۱۹۷۷ء۔

۴۔ عثمان محمد پروفیسر، حیاتِ اقبال کا ایک جذیاتی دور، لاہور: مکتبۂ جدید، ۱۹۶۵ء۔

۵۔ عثمان محمد پروفیسر، فکرِ انسانی کی تشکیلِ نو، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء۔

۶۔ محمد زکریا، ڈاکٹر، خواجہ، اقبالیات چند نئی جہات، بزمِ اقبال، ۲۰۱۴ء۔

۷۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، اقبالیات، لاہور: الفیصل ، ۱۹۸۹ء۔

☆☆☆